© rasailojaraid.com

اسلامی قوانین کی ترویج و تنفیذ

عہد فیروز شاہی کے ہندستان میں

سلیم منصور خالد ○

انسانی زندگی ایمان و عمل اور نظم و ضبط کے سائے تلے خوش گوار رہ سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی رہنمائی کے لیے جو بہترین ہدایت عطا فرمائی' وہ اسلام ہے' قرآن ہے: "اسلام ایک جامع نظام حیات ہے۔ اس کے اصول و ضوابط انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہیں۔ مذہبی' سیاسی' معاشرتی' معاشی' انفرادی' اجتماعی' ملکی اور بین الاقوامی مسائل کا کوئی ایسا حصہ نہیں ہے' جس سے متعلق شریعت اسلامی میں رہنمائی نہ ملتی ہو۔ اسلام اپنے ماننے والوں سے مطالبہ کرتا ہے' کہ وہ اپنی زندگی کے ہر شعبے میں اس کے اصولوں کو اپنائیں اور ان کی ترویج و تنفیذ کے لیے سنجیدگی سے کوشش کریں۔ اس میں نہ صرف ان کی بھلائی اور کامیابی ہے' بلکہ دوسرے لوگوں حتیٰ کہ اس ضابطہ حیات کو تسلیم نہ کرنے والوں کے لیے بھی خیر و فلاح مضمر ہے" (اسلامی قوانین کی ترویج و تنفیذ' ص ۷)۔ اسی لیے اہل اسلام "دنیا کے جس حصے میں بھی اختیار و اقتدار کے مالک بنے' اور حکمرانی کے منصب تک پہنچے' انھوں نے کسی نہ کسی حد تک اسلامی قوانین کے نفاذ میں حصہ لیا.... بحث و مباحثہ [اور] مختلف ذرائع سے فقہ اسلامی کی اشاعت کا اہتمام کیا" (ایضاً' ص ۸)۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی نے اپنی کتاب "اسلامی قوانین کی ترویج و تنفیذ --- عہد فیروز شاہی کے ہندستان میں" میں اس امر پر داد تحقیق دی ہے کہ مسلمانوں' خصوصاً سلاطین دہلی کے دور حکومت (۱۲۰۶-۱۵۲۶) میں اسلامی شریعت کے نفاذ کے لیے کیا کوششیں اور کاوشیں ہوئیں۔ یہ سمجھنا کہ اسلامی قوانین کی تنفیذ اور اس کا مطالبہ کوئی نئی بات ہے' جسے چند لوگ اٹھا رہے ہیں' درست نہیں ہے۔ مختلف

○ پروفیسر' ایف سی کالج' لاہور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زمانوں' مختلف معاشروں اور مختلف مسائل سے نبرد آزما مسلمانوں نے ہر عہد میں اس بات کی کوشش کی ہے کہ وہ اسلامی شریعت کے منشا کو سمجھیں اور اس کے نفاذ کے لیے بامعنی کوششیں کریں۔ تاریخ کے اس عمل اور ماضی کے قابل قدر فقہا کی اس جاں کاہی کا سراغ لگانا مسلمان مورخین کی دینی ذمہ داری ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں تاریخ محض تخت نشینی کی جنگوں اور عمارتوں کی تعمیر کا عنوان بن کر رہ گئی ہے۔

اس کتاب کے مصنف نے ثانوی مآخذ پر اعتماد کرنے کے بجائے' معاصر اور اصل عربی و فارسی مآخذ تک رسائی حاصل کی' اور مغرب یا مغرب کے زیر اثر پروان چڑھنے والی تاریخ نویسی کی روایت سے ذرا ہٹ کر' اپنے موضوع پر کام کر کے یہ حیرت انگیز تصویر ہمارے سامنے پیش کی ہے۔ اس طرح انھوں نے تاریخ کے ایک فراموش شدہ باب کو زندہ حقیقت کے طور پر پیش کیا ہے۔ "اس کتاب میں عہد وسطیٰ کے ہندستان سے متعلق ایک اہم پہلو پر مطالعہ و تحقیق کے نتائج پیش کیے گئے ہیں" (ایضاً' ص ۷)۔

صورت حال جاننے کے لیے کتاب کے یہ مقامات مددگار ثابت ہوتے ہیں: "اس دور کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ عہدہ قضا [عدلیہ] پر مامور علما کی نظر کتنی بلیغ اور دور رس تھی' اور وہ لوگ غیر جانب دار اور دبدبہ شاہی سے بے خوف ہوتے تھے" (ایضاً' ص ۵)--- "دور سلاطین دہلی میں دہلی ماہرین فقہ کا مرکز بن گیا' جس کی واضح شہادت برنی' قلقشندی' العمری اور ابن بطوطہ وغیرہم کے بیانات سے ملتی ہے" (ایضاً' ص ۴)۔ مصنف نے ان مختلف مآخذ سے استفادہ کر کے واقعات کو صحیح تناظر میں پیش کیا ہے۔

مسلمانوں یا مسلم حکمرانوں کی تاریخ پر تبصرہ کرتے وقت عموماً جذباتی رویہ اختیار کیا جاتا ہے۔ لیکن مصنف نے ایسا راستہ اختیار کرنے کے بجائے حس انصاف کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ وہ لکھتے ہیں: "یہ حقیقت اپنی جگہ درست ہے کہ مسلم حکمرانوں کی شخصی و عوامی زندگی کلی طور پر اسلامی تعلیمات اور اسلامی روایات کی آئینہ دار نہیں تھی' نہ ان کی حکومت کے تمام شعبوں میں شرعی قوانین جاری و ساری تھے۔ لیکن اسی طرح یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ان کے ہاں عام طور پر اسلامی شریعت کا احترام اور اسلامی اقدار کا پاس و لحاظ پایا جاتا تھا۔ پورے عہد وسطیٰ کے ہندستان میں ایک دو حکمرانوں کو چھوڑ کر باقی تمام سلاطین اور بادشاہان وقت اصولی طور پر شریعت کی بالادستی کے قائل تھے' اور کچھ نے عملی طور پر اسے برتنے کی سنجیدہ کوششیں بھی کیں--- [بعض] نے بسااوقات شریعت کے قوانین کی خلاف ورزی کی' لیکن شاید ہی کوئی ایسی مثال ملے گی کہ انھوں نے علانیہ شریعت سے انکار کیا ہو--- [اسی طرح] یہ کہنا بھی صحیح نہ ہو گا کہ سلاطین نے انتظامی امور اور دوسرے معاملات میں مفتیوں اور علما کی آرا کو ہمیشہ قبول کیا' لیکن درپیش مسائل میں شریعت کا نقطہ نظر معلوم کرنے میں ان کی دلچسپی سے انکار نہیں کیا جا سکتا" (ایضاً ص ۹-۱۰)۔ دوسری جانب صورت یہ ہے کہ "جدید مغربی تجربہ کار محققین عہد سلاطین [اور عہد عثمانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خلافت] کی تاریخ کے پہلوؤں کو اکثر نظرانداز کر دیتے ہیں۔ اس سے زیادہ تلخ حقیقت یہ ہے کہ جدید مسلم دانش ور اور اہل قلم بھی اس جانب کم ہی توجہ دیتے ہیں" (ایضاً، ص ۸)۔

برعظیم میں، دور سلاطین میں، یہ خطہ زمین اسلامی شریعت کے مختلف قوانین سے آشنا ہوا اور یہاں پر اشاعت دین کا دائرہ وسیع ہوا۔ ظفرالاسلام نے اس عہد کے مختلف حکمرانوں کے، شریعت کے بارے میں رویے پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے: "غیاث الدین بلبن (۱۲۶۶-۱۲۸۷) امر بالمعروف ونہی عن المنکر یا احکام شرعی کی ترویج کو حکمران کے بنیادی فرائض تصور کرتے تھے (ایضاً، ص ۱۲)--- علاء الدین خلجی (۱۲۹۶-۱۳۱۶) کے بارے میں امیرخسرو نے لکھا ہے: "ملک کو خوشی و خوش حالی نصیب ہوئی، دین کو رونق ملی اور شریعت کی قدر و قیمت بڑھی" (ایضاً، ص ۱۴)--- غیاث الدین تغلق (۱۳۲۰-۱۳۲۵) کے عہد حکومت میں اسلامی شریعت کی قدردانی اور احکام شریعت کے نفاذ میں دلچسپی کی وجہ سے ان لوگوں کی عزت اور وقعت کافی بڑھ گئی تھی، جو قضا و افتا کے نظام سے وابستہ تھے (ایضاً، ص ۱۵)--- محمد بن تغلق (۱۳۲۵-۱۳۵۱) کی شہرت ایک تجدد پسند حکمران کی سی بنا کر پیش کی جاتی ہے، مگر وہ اپنے دربار میں مامور چار مفتیوں کی حتمی رائے معلوم کیے بغیر کسی مجرم کو سزائے موت نہیں دیتے تھے (ایضاً، ص ۱۱)۔ اسی طرح نظام ریاست چلانے کے لیے انھیں اسلامی فقہ سے بھی گہری دلچسپی تھی، جس کا ایک بڑا اہم مظہر یہ ہے کہ انھیں البدایۃ ازبر تھی (ایضاً، ص ۱۶)--- فیروز شاہ تغلق (۱۳۵۱-۱۳۸۸) کا نام اسلامی قانون کی ترویج اور تنفیذ میں دلچسپی کے لیے سب سے زیادہ مشہور ہے۔ وہ نہ صرف شخصی زندگی میں دینی تقاضوں کو پورا کرنے کے قائل تھے، بلکہ سیاسی و سماجی زندگی اور انتظامی امور میں بھی شرعی قوانین کے نفاذ کے خواہاں تھے۔ دین پسندی اور شریعت کی پاس داری میں سلاطین دہلی میں سلطان فیروز شاہ تغلق کی مثال ملنی مشکل ہے (ایضاً، ص ۱۶)--- اس کے بعد وہ فیروز شاہ تغلق کو خصوصی مطالعے کا موضوع بناتے ہوئے، مختلف میدانوں میں ان کی کاوشوں پر روشنی ڈالتے ہیں۔

مثال کے طور پر: "فیروز شاہ نے اسلامی تعلیمات کی ترویج کے لیے خصوصی توجہ دیتے ہوئے کثیر تعداد میں مدارس قائم کیے، اور ان کے اخراجات کے لیے سلطنت کے خزانے سے خطیر رقمیں صرف کیں۔ یہ مدارس نہ صرف دنیوی تعلیم و تربیت کے اہم مراکز تھے بلکہ اسلامی آداب زندگی اور معاشرتی اصولوں کی تبلیغ کا ذریعہ بھی بنے۔ اس کے علاوہ اس عہد میں اسلامی تعلیمات کی نشرواشاعت کے لیے تصنیفی و تالیفی سرگرمیاں بھی جاری ہوئیں اور حکومت کی جانب سے مصنفین و مولفین کو بھی کافی نوازا گیا۔ اسی طرح عہد فیروز شاہی کی ایک منظوم فقہی تالیف تحفۃ النصائح میں اسلام کے معاشرتی احکام کی وضاحت کی گئی ہے، اور ان تصورات و روایات کی بھی نشان دہی کر دی گئی ہے جو ہندوؤں کے زیر اثر خود مسلمانوں کی زندگی میں داخل ہو گئے تھے (ایضاً، ص ۲۹-۳۰)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گذشتہ روایت کی پاس داری کرتے ہوئے، معاصر علما نے اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں کوتاہی نہ برتی۔ انھوں نے "اپنے زمانے میں پیدا ہونے والے مختلف معاشی و معاشرتی مسائل پر فقہ کی روشنی میں اظہار خیال کیا" (ایضاً، ص ۵)--- "شریعت کی روشنی میں حکومت کے ذرائع آمدنی کا تعین اور اس کے نفاذ پر زور پہلی بار فیروز شاہ کے زمانے میں نظر آتا ہے" (ایضاً، ص ۱۱۶)--- "فیروز شاہ نے برہمنوں پر جزیے کے نفاذ کے مسئلے پر غور و فکر کے لیے علما کی ایک مجلس منعقد کی۔ برہمنوں کے معاشی و معاشرتی حالات کی روشنی میں اس مجلس نے متفقہ فیصلہ کیا کہ شریعت کی رو سے برہمن جزیہ سے مستثنیٰ نہیں قرار دیے جا سکتے۔ البتہ رہبان، مذہبی پیشوا اور معابد کے خادموں کو استثنا دیا گیا" (ایضاً، ص ۱۱۹)--- شریعت کی روشنی میں فیروز شاہ کی اصلاحات صرف اقتصادی امور تک محدود نہیں تھیں، بلکہ سماجی معاملات تک وسیع تھیں جن کا مقصد غیر اسلامی رسوم کو ختم کرنے کی کوشش کرنا تھا" (ایضاً، ص ۲۵)--- گویا کہ: "علما نے نہ صرف یہ کہ عام مسائل میں شریعت کے نقطۂ نظر کو واضح کیا، بلکہ نئے مسائل پر اظہار خیال کرتے وقت اپنی مجتہدانہ فکر کو بھی استعمال کیا۔ اس کی روشنی میں بجا طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ چودھویں صدی عیسوی کے ہندستان میں اجتہادی فکر نہ صرف زندہ تھی بلکہ سرگرم عمل بھی تھی" (ایضاً، ص ۱۲۴-۱۲۵)۔

فیروز شاہ کی متوازن اور شریعت سے قریب تر پالیسیوں کو نشانہ بنانے کے لیے عوام الناس میں ایک پروپیگنڈا مہم چلائی گئی: "کہا جاتا ہے کہ سلطان بنیادی طور پر تصوف کا مخالف تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ سلطان کو تصوف یا "وحدت الوجود" کے بجائے ان غیر اسلامی افکار و نظریات سے نفرت تھی، جو ان کے داعیوں یا نام نہاد صوفیوں کے ذریعے اسلام ہی کے نام پر پھیل رہے تھے--- چودھویں صدی کے نصف آخر میں تصوف نے یہاں پر نہایت بدنما شکل اختیار کر لی تھی اور صدہا مخرب اخلاق رسمیں اور گمراہ کن بدعات عام ہو گئی تھیں" (ایضاً، ص ۱۳۵-۱۳۶)--- "سلطان نے سماجی زندگی اور درباری ماحول کے ان رسوم و رواج کے خاتمے کی بامعنی کوششیں کیں، جو اسلامی روایات کے منافی اور اخلاقی تعلیمات کے خلاف تھے" (ایضاً، ص ۱۳۵)۔

فتاویٰ فیروز شاہی اس زمانے کے بڑے چھوٹے مسائل پر ریاستی پالیسی کی آئینہ دار ہے۔ مثال کے طور پر سوال اٹھایا گیا: "ذمی و مستامن کا خون بہا ایک مسلمان کے برابر ہو گا کہ نہیں؟" جواب دیا گیا: "برابر ہو گا" (ایضاً، ص ۸۲)--- عہد وسطیٰ کے معاشرتی مسائل میں ہندو مسلم تعلقات کے مسائل بہت دلچسپ، الجھے ہوئے اور اہم تھے اور فقہی نقطۂ نظر سے حل طلب بھی۔ شرعی نقطۂ نظر سے ہندوؤں سے تعلقات و معاملات کو سمجھنے کی خاطر سلاطین و مسلم عوام نے بھی اس مسئلے میں دلچسپی لی۔ معاصر علما میں اس مسئلے پر کچھ اختلاف رہا۔ اس مسئلے سے عہدہ برآ ہونے کے لیے علما نے جو سوال نامے ترتیب دیے وہ اس قدر سائنٹی فک اور حقیقت حال کو معلوم کرنے کے لیے اتنے مددگار ہیں، کہ دیکھ کر ان لوگوں کی بصیرت پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رشک آتا ہے۔ فتاویٰ فیروز شاہی کے متن سے اخذ کردہ اصل جملوں کے ساتھ یہ باب ص ۷۱ تا ۸۸ تک پھیلا ہوا ہے۔

دوسری جانب عہد وسطیٰ کے ہندستان میں ہندوؤں کے ساتھ مسلم حکمرانوں کے برتاؤ سے متعلق بہت سی غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں اور کچھ جان بوجھ کر پھیلائی جاتی ہیں۔ اس نسبت سے مسلم دور حکومت کی تصویر بالکل مسخ کر کے پیش کی جاتی ہے--- "طرفہ تماشا یہ کہ یہ باتیں ان حکمرانوں سے زیادہ منسوب کی جاتی ہیں' جو دین پسندی' مذہبی رجحان اور شریعت کے نفاذ میں دلچسپی کے لیے معروف ہیں۔ اس مفروضے کے تحت فیروز شاہ تغلق سب سے زیادہ ہدف تنقید بنتے ہیں" (ایضاً' ص ۲۴)۔

فیروز شاہ کے دور حکومت پر بحث کرتے ہوئے ممتاز مورخ ضیا الدین برنی لکھتے ہیں: "سلطان نے اس امر کو بھی یقینی بنانے کی کوشش کی کہ ایسے لوگوں کو حکومت کے مناصب نہ ملنے پائیں جو شرپسند' غیر دیانت دار' بدطینت' ناخدا ترس اور ظالم ہوں" (ایضاً' ص ۱۰۴۔ برنی تاریخ فیروز شاہی' ص ۵۷۵)۔ ڈاکٹر ایشور ٹوپا نے اپنی تصنیف ہندی مسلمان حکمرانوں کے سیاسی اصول (ص ۷۷) میں اس حقیقت کا کھل کر اعتراف کیا ہے کہ: "گو فیروز شاہ کی حکومت اسلامی اصولوں سے لبریز تھی' لیکن عوام کی بھلائی و بہبودی اس کا سب سے بڑا فرض تھا۔ اسی اصول کے تحت اس نے تمام بے جا قوانین جن کے تحت رعایا مر رہی تھی' ختم کیے۔ تمام وہ چیزیں جو شریعت کے خلاف کسی بھی شعبہ زندگی میں حکومت کو نظر آتی تھیں' دور کیں۔ اس تمام اسلامی تحریک میں جس جذبے نے فیروز شاہ کی شاہی کو زندہ کیا وہ فلاح و بہبود کے اصول تھے" (ایضاً' ص ۱۰۴۔۱۰۵)۔

ظفر الاسلام نے بھارت سے اٹھنے والی اس معذرت خواہانہ' بلکہ سیکولر "فکر اسلامی" کی روایت سے کوئی اثر نہیں لیا' کہ جس میں ایک "مفکر اسلام" بھارت کے مسلمانوں کے تمام مسائل و مشکلات کا سزاوار صرف مسلمانوں کو ٹھیراتے ہیں اور بھارت ماتا کے سامنے ڈنڈوت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مصنف نے کتاب کے چوتھے باب (ہندوؤں کے ساتھ فیروز شاہ تغلق کا برتاؤ) میں کھل کر ان تمام اعتراضات اور داستانوں کو موضوع بحث بنایا ہے جو فیروز شاہ کی مبینہ "ہندو دشمنی" کے گرد گھومتی ہیں۔ پھر انھوں نے محکم دلائل کے ساتھ (ص ۸۹۔۱۱۴) ہر اقدام کے جواز پر نظائر اور بصیرت کے ساتھ بحث کی ہے۔ معذرت خواہانہ تاویل کا سہارا نہیں لیا۔

ہمارے موجودہ عہد ملامت میں' لوگوں کے لیے سب سے آسان کام یہ ہے کہ وہ اپنے ماضی سے بے خبر رہیں' اور اگر باخبر ہونے کی کوشش کریں تو ان کو ماضی کی ایسی تصویر دکھائی جائے جو منفی پراپیگنڈے کی تکرار کے سوا کچھ نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں ماضی کسی صحت مند روایت کی علامت نہ بن سکے گا۔ ظفر الاسلام اصلاحی نے بڑی ہمت سے کام لیتے ہوئے ایک مثال قائم کی ہے کہ ہم مغرب اور اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زیر اثر لکھے جانے والے نام نہاد "تاریخی مواد" سے اوپر اٹھ کر سوچنے، سمجھنے، دیکھنے اور حقائق کھوجنے کی کوشش کریں۔ سلطنت عثمانیہ، مسلمانوں کی تاریخ کا ایک نہایت قیمتی باب ہے، جس میں فقہ و اجتہاد کے وہ باب رقم ہوئے کہ خرد مندی عش عش کر اٹھے۔ ریاست و میدان جنگ کے وہ اصول وضع ہوئے کہ تاریخ ان سے آئینہ لے۔ مگر صرف ایک اقدام، یعنی رسم الخط کی تبدیلی سے وہ سارے کا سارا اثاثہ دریا برد ہو کر رہ گیا۔ ایک صدی بھی نہیں گزری، ان کی تمام کتب ماضی کے مزاروں میں ڈھل کر دیمک کا دسترخوان بنی ہوئی ہیں۔ ادھر برعظیم میں گذشتہ ۵۰ برسوں کے دوران خاص طور پر فارسی اور عام طور پر عربی سے رشتہ یوں کاٹا گیا کہ ہمارا تمام علمی و فکری اثاثہ کباڑ خانے کی زینت بن کر رہ گیا۔ علامہ اقبال تو ویسے ہی دسترس سے باہر ہو گئے ہیں۔ ظفرالاسلام جیسے فاضل محققین ہدیہ تبریک کے مستحق ہیں کہ جنھوں نے ہر دو زبانوں سے رشتہ انس قائم رکھا اور حقائق کی نقاب کشائی کی۔ البتہ ایک پہلو سے ضرور کمی ہے کہ، اس دور کی معاشی و سماجی صورت حال کی تفصیل سامنے نہیں آتی۔ اگرچہ قیمتی اشارات موجود ہیں۔

ہمارے جدید مورخین کے لیے یہ کتاب ایک اذان کا فریضہ ضرور ادا کر رہی ہے تاکہ وہ اسلامی نقطۂ نظر کے لیے کسی تعصب کی خاطر نہیں، بلکہ فی الواقع معروضیت کے پرچم تلے تاریخ و تجزیہ کا کام سرانجام دیں، حقیقی مآخذ تک رسائی حاصل کریں اور مختلف حکمرانوں کے دور حکومت کا جائزہ لیں۔

ڈاکٹر ظفرالاسلام اصلاحی کی اس کتاب کو ادارہ علوم اسلامیہ، مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ، نے شائع (۱۹۹۸ء) کیا ہے۔ ۱۳۹ صفحات میں کتابیات (عربی، فارسی، انگریزی) کا قابل قدر انتخاب بھی دیا گیا ہے۔

منشورات کی تازہ پیش کش

پاکستان میں پہلی بار

اس صدی کی ایک اہم شخصیت پر ایک غیر معمولی تحقیقی ایمان افروز کاوش

سید قطب شہیدؒ

حیات و خدمات

عبید اللہ فہد فلاحی ۔ سید صلاح الدین عمری

صفحات : 400 قیمت صرف : 120روپے

منشورات، منصورہ، لاہور - 54570 فون : 5425356، فیکس : 7832194

© rasailojaraid.com